جناب طفیل محمد صاحب

ادعیہ ماثورہ۔ ادبی محاسن

دعا انسانی جبلت میں شامل ہے ۔ چنانچہ ہر دور کا انسان نہ صرف دعا کے مفہوم سے واقف تھا بلکہ جب بھی انسان کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ' یا کسی مشکل سے دو چار ہوا ' اس نے دعا کو اپنایا اور اس میں اپنی مشکلات کا مداوا پایا ۔ تاریخ انسانی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو سب سے پہلے دعائیہ کلمات سکھائے ۔ (۱) اس لئے جب انسانی صلاحیتیں اور مادی وسائل ناکام ہو جاتے ہیں تو انسان دعا کے ذریعے اپنے خالق حقیقی سے استعانت کرتا ہے ۔ جس کی قرآن حکیم نے ان الفاظ میں شہادت دی ہے ۔

اذا مس الانسان ضر دعا ربہ منیبا الیہ (سورۃ الزمر ایت ۸)

جب انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو وہ اپنے پالنے والے کو ہمہ تن متوجہ ہو کر پکارتا ہے ۔

دعا کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسانی بھلائی ' بندہ و خالق کے تعلقات کی استواری ' انسان کی عاجزی اور رب العزت کی عظمت و کبریائی اور ابنائے آدم کی مشکلات کا حل تلاش کیا جاتا ہے ۔ اس لئے دعا کا بنیادی تصور خیر کی قوتوں کے فروغ اور شر کی طاقتوں کو نیست و نابود کرنے سے عبارت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں دعا کا تصور ضرور موجود رہا(۲)۔

دعا کے لغوی معنی پکارنا ' بلانا ' مانگنا ' التجا کرنا ' درخواست کرنا اور سوال کرنا وغیرہ کے ہیں ۔ جبکہ شریعت میں دعا کا اصطلاحی معنی ہے۔

الابتہال الی اللہ بالسئوال و الرغبتہ فیما عندہ من الخیر الا بتہال والتضرع الیہ فی تحقیق المطلوب وادراک المامول (۳) ۔"

ترجمہ = "سوال کے ذریعے اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونا ' اللہ تعالی کے ہاں موجود خیر کے حصول میں اپنی رغبت اور خواہش ظاہر کرنا ' اپنے مقصد کو پانے کے لئے اللہ تعالی سے آہ و زاری کرنا اور اللہ تعالی

سے اپنی امیدوں کی بجا آوری کا نام دعا ہے ۔"

اس تعریف کی روشنی میں دعا دو چیزوں سے عبارت ہے ' خالق کائنات کے حضور اپنی عبودیت' احتیاج' عاجزی' کمزوری اور ضعف و رذالت کا اعتراف کیا جائے اور دلی یقین و اعتقاد کے ساتھ رب کائنات کی الوہیت' ربوبیت' قدر' عظمت و جلال اور رحمت و برکات کا اقرار کیا جائے۔ انسان جب اپنی بندگی و پستی اور خالق کون و مکان کی حاکمیت' بالادستی اور آفاقی کے قوی شعور اور احساس کے ساتھ اس کی بارگاہ سے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کچھ مانگتا' کچھ چاہتا اور اپنی معروضات پیش کرتا ہے ۔ تو دعا کی حقیقت وجود میں آتی ہے ۔

جو انسان کے لئے بھلائی اور کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہے ۔ انسان جب اپنی سراپا بندگی کا اظہار کرتا ہے ۔ تو دعا کا دوسرا عنصر ادا ہوتا ہے ۔

دعا کا مفہوم اور مقصد و منشاء اس امر کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ یہ عبدیت کی معراج ' عین عبادت بلکہ عبادت کا مغز اور انسانی بھلائی کی ضامن ہے ۔ اس لئے ادیان عالم کے تسلسل میں اسلام نے بھی دعا کی اہمیت ' ضرورت اور افادیت کو تسلیم کیا ۔ خالق ارض و سماء نے انسانوں کو اپنی عمومی تعلیم کے ذریعے سے سکھایا کہ جب میرے بندے مجھے پکارتے ہیں 'مجھ سے مانگتے اور سوال کرتے ہیں تو میں ان کی دعائیں سنتا ' ان کی حاجات پوری کرتا اور ان کی بگڑیاں بناتا ہوں۔(۴)

یہی وجہ ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن حکیم میں جابجا دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ۔ اھد نا الصراط المستقیم' خذا العفو وامر بالعرف اور رب زدنی علما" (۵) محسن انسانیت کو دعا سکھانے کی عمدہ مثالیں ہیں ۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کی تعلیم دینے میں یہ حکمت بھی مضمر ہے کہ آپ کے ذریعے امت کا رشتہ خالق کائنات سے جوڑ دیا جائے ۔ قرآن و حدیث میں مذکور دعاؤں کو عام کیا جائے تاکہ انسان اپنے شب و روز اور ان کے تمام لمحات میں اللہ تعالی کی رحمت و شفقت کا طالب اور انسانی بھلائی کا خواھاں رہے ۔

انسانیت کے غم گسار اور سلسلہ نبوت کے آخری پیغمبر نے اس حکم الہی پر جس عمدہ طریقے سے عمل کیا وہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سنہری باب ہے ۔ ایک طرف آپ نے اپنی امت کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ دعا تمام نازل شدہ اور نازل ہونے والی مصیبتوں سے چھٹکارا دلاتی ہے اور جو بندہ اللہ تعالی کا فضل طلب نہیں کرتا ' اللہ تعالی اس سے ناراض ہوتا ہے کیونکہ تنگی میں فراخی کی امید

عمدہ عبادت ہے (۶) ۔

دوسری طرف آپ نے امت مسلمہ کو ایسی دعائیں سکھائیں جو زندگی کے کم و بیش تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں ۔ خوشی کا موقعہ ہو یا غمی کا ' انسان سو رہا ہو یا بیدار ہو' خواب دیکھ رہا ہو یا حقیقت کی گتھیاں سلجھا رہا ہو ' اطمینان کی کیفیت سے گزر رہا ہو یا خوف و ملال کی حالت سے دوچار ہو ' صبح کا وقت ہو یا شام کا 'ولادت کا مرحلہ درپیش ہو یا موت اور بعد المات کی منازل ہوں ۔ ہر ہر لمحہ اور ہر ہر حالت کے لئے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں مروی ہیں۔ یہ "ادعیہ ماثورہ" ہیں۔ انہیں ادعیہ مسنونہ بھی کہتے ہیں ۔ چونکہ یہ دعائیں حیات انسانی کے ہر ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں ۔ اس لئے ان کی تعداد کا صحیح شمار دشوار کام ہے ۔ امام ابو عیسی ترمذی نے اپنی "سنن" کے ابواب الدعوات میں چھوٹی بڑی ۲۵۴ دعائیں نقل کی ہیں ۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے اہل علم نے بھی "ادعیہ ماثورہ" پر مستقل کتابیں (۷) تحریر کی ہیں ۔ جنہیں ترتیب زمانی کے مطابق مرتب کرنا بجائے خود ایک تحقیقی کام کا متقاضی ہے ۔ مزید برآں حدیث نبوی کی تمام کتب میں بھی دعا کے ابواب شامل کر دیئے گئے ہیں ۔ ہر کتاب کے مطالعہ سے "ادعیہ ماثورہ" کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے ۔

"ادعیہ ماثورہ" کی عبارات پر غور کیا جائے تو بعض ادعیہ صرف دو الفاظ پر مشتمل ہیں جیسے "سل سعد" (جو مانگو ملے گا) لیکن بعض ادعیہ طویل عبارات پر مشتمل ہیں ۔ جن کا بنیادی مقصد رب کائنات کی رحمت ' شفقت اور عنایات کا حصول اور انسانی ضروریات کی تکمیل ہے ۔ ان دعاؤں کے اسنادی پہلو پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ "ادعیہ ماثورہ" چونکہ عہد رسالت میں بھی معروف اور متداول ہو گئی تھیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت سی "ادعیہ ماثورہ" یاد کر لی تھیں وہ یہ دعائیں خود بھی مانگا کرتے اور تابعین کو بھی سکھایا کرتے تھے ۔ اس لئے "ادعیہ ماثورہ" کی اسناد قوی اور مرویات مضبوط ہیں ۔ اس بناء پر اہل علم کی یہ رائے ہے کہ "ادعیہ ماثورہ" کے الفاظ وہی ہیں ۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اس لئے یہ دعائیں انسانی قلب پر اثر انداز ہوتیں اور اللہ تعالی کے ہاں قبولیت پاتی ہیں نیز حدیث نبوی کے تحفظ و بقاء کی زندہ مثال ہیں ۔

"ادعیہ ماثورہ" کا کئی پہلوؤں سے مطالعہ کیا گیا ' محدثین کرام نے ادعیہ کے اسنادی پہلو کو اجاگر کیا ۔ صحیح ' ضعیف ' احسن اور سقیم کا درجہ اور حکم متعین کیا ۔ انہیں روایت و درایت کے سنہری

اصول پر پرکھا ۔ اہل اللہ اور اصحاب تصوف نے "ادعیہ ماثورہ" کو اپنی عملی زندگیوں میں اپنایا ۔ چنانچہ صوفیائے کرام نے خاص خاص ادعیہ کو اپنے سلاسل تصوف اور اوراد وظائف کے طور پر اختیار کیا اور عاشقان رسول نے "ادعیہ ماثورہ" کو حرز جان بنایا اپنی روحانی تسکین اور درجات سلوک طے کرنے کے لئے ان کا شب و روز ورد کیا ۔ اور جب یہ ادعیہ ان کے قلب و زبان پر جاری ہو گئیں تو صوفیائے کرام نے ان ادعیہ مبارکہ کو انسانی دکھوں کے مداوے اور بیماریوں کے علاج کے لئے استعمال کیا۔

ان سب پہلوؤں کی اپنی اپنی اہمیت اور افادیت ہے جن کا مطالعہ ایک علمی ضرورت ہے ۔ تاہم ہم اس مختصر سی تحریر میں اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ "ادعیہ ماثورہ" کا عربی زبان و ادب میں کیا مقام و مرتبہ ہے ؟ اور ادعیہ مسنونہ نے عربی زبان کو کیا کچھ دیا ہے ؟ اور ان کے ادبی محاسن کیا ہیں ؟ یہ موضوع بجائے خود بہت طویل ہے ۔ جس کا احاطہ اس تحریر میں ممکن نہیں ہے ۔ اس لئے چند مثالوں کے ذریعے بات واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔

ظہور اسلام کے وقت عربی ادب کا جائزہ لیا جائے تو وہ غزل ' مدح ' ہجو ' فخر ' انسانی اوصاف کے بیان اور مرثیہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہے ۔ جبکہ اسلام نے عربی ادب کو قرآن حکیم جیسا لازوال ادبی شہ پارہ عطا کیا۔ جو پوری انسانیت کے لئے بیک وقت کتاب رشد وہدایت بھی ہے ۔ اور ادبی شاہکار بھی ۔ اس کے ساتھ ہی اسلام نے عربی ادب کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نہ صرف ہدایت اور رہنمائی کا سامان فراہم کیا ' بلکہ جدید الفاظ ومعانی ' تراکیب' محاورات' مفاہیم اور ضرب الامثال کا ایک ایسا بحر بیکراں عطا کیا جس کی بدولت عربی ادب کو آداب عالم میں ارفع واعلی مقام میسر آیا۔

حدیث نبوی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتی ' انسان کے تمام قسم کے جذبات واحساسات کا اظہار کرتی ' تہذیب وثقافت کی تمام جہتوں کو واضح کرتی اور خالق اور بندے کے تعلق کو مختلف انداز میں بیان کرتی اور الگ الگ پیرایوں میں اجاگر کرتی ہے۔ جن کی معروف صورت "ادعیہ مسنونہ" ہیں ۔ جو ادبی شاہکار ہیں ۔ ان میں نہ صرف بیان' معانی ' بدیع وغیرہ کے اصول پیش نظر رکھے گئے ۔ بلکہ اقوال رسول میں الفاظ کی ساخت ' صرف ونحو کے قواعد اور لغت نویسی کے بنیادی نکات بھی موجود ہیں ۔ جن سے لسانی علوم کے ماہرین نے بھرپور استفادہ کیا اور مختلف علوم کے مؤسسین اور ماہرین حدیث نبوی سے بھرپور انداز میں استشہاد کیا (۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر خالق ومالک کائنات سے اپنا تعلق اس طرح استوار کئے رکھا کہ اگر آپ کی حیات طیبہ کے لمحات شمار کئے جائیں تو ان کا ایک بڑا حصہ دعا کرتے گذرا ' سفر وحضر' سوتے ' جاگتے ' اٹھتے ' بیٹھتے نیز زندگی کے ہر لمحہ میں آپ مصروف دعا دکھائی دیتے ہیں ۔ نماز بھی دعا ہی ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔

حتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جو آخری الفاظ ادا کئے وہ ' " اللھم بالرفیق الاعلی " (۹) دعائیہ کلمات ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "ماثورہ ادعیہ " کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ جن کا تاحال احاطہ اور تحقیقی مطالعہ نہیں ہوا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا عبادت کا مغز(۱۰) اور جوہر ہے " اللہ تعالی کے ہاں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ باعظمت نہیں ۔" دعا ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان براہ راست اپنے خالق ومالک سے مخاطب ہوتا۔ اس سے رازونیاز کرتا ۔ اپنی مشکلات پیش کرتا۔ رب کائنات کی عظمت کا اعتراف اور اپنی کم مائیگی ' بے چارگی اور ناتوانی کا اظہار کرتا ہے۔ اپنی حاجات چاہتا اور حاجات پوری کرنے والے کی بندگی بجا لاتا اور اس کی عظمت کے گیت گاتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی کہ روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لئے بھی اللہ تعالی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ' آپ نے مثال سے واضح فرمایا کہ نمک ختم ہو جائے یا جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ سے مانگو۔ کیونکہ وہی انسانی ضرورتیں پوری کرتا ہے ۔ جب دعا پوری زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے تو وہ عربی ادب کو نیا محاورہ ' روز مرہ اور ضرب الامثال بھی عطا کرتی ہے نیز عربی ادب کو جدید پیرائیہ بیان اور ادبی محاسن عطا کرتی ہے۔ دعا کے ذریعے عربی ادب کو حفظ قرابت کا پیرائیہ بیان ملا۔ کیونکہ جاہلی ادب دعائیہ پیرائیہ بیان سے بہت حد تک خالی ہے ۔

اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح قرآن حکیم ادب ' معانی ' بلاغت یا نظم ونثر کی کتاب نہیں ہے۔ اسی طرح وحی غیر متلو ہونے کی حیثیت سے حدیث نبوی بھی نہ شعر ہے اور نہ ہی گنجلک اور مشکل نثر ۔ بلکہ یہ ابلاغ کا ایک ایسا موثر نمونہ ہے جو گفت وشنید ' طرز تخاطب اور ابلاغیات کے عمدہ پہلو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے اور قرآن حکیم کی طرح ارشادات نبوی سے صرف' نحو' معانی' بیان اور بلاغت کی تقویت کے لئے مثالیں اخذ کی گئیں۔ جن احادیث کو ادبی استشہاد کے لئے پیش کیا گیا ان میں "ادعیہ ماثورہ " سرفہرست رہیں کیونکہ یہ انسانی قلوب میں راسخ اور زبانوں پر

جاری رہی ہیں۔

ادعیہ مسنونہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سکھایا تھا اور بہت ہی عمدہ سکھایا۔ ادبی فاحسن تادیبی (۱۱) اسی لئے آپ افصح العرب والعجم کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ اور آپ کو اپنی بات عمدہ ترین طریقے سے انسانوں تک پہنچانے کا حکم ہوا۔

" وقل لهم فی انفسهم قولا بلیغا" (النساء: ۶۳)

آپ انہیں واضح انداز میں بات کہیں " اس آیت کی تفسیر میں تحریر ہے **"قولا بلیغا انفسهم وموثرا فی قلوبهم"** (۱۲) ۔ آپ عمدہ طریقے سے پیغام پہنچایئے جو نفوس میں راسخ اور قلوب پر اثر انداز ہو۔

ایک اور تفسیر میں تحریر ہے وجل بلیغ یبلغ بلسانه کنه مافی قلبه (۱۳)بلیغ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی دلی کیفیت اپنی زبان کے ذریعے دوسروں تک پہنچا دے صاحب جوامع الکلم نے یہ کام انتہائی عمدہ انداز میں سرانجام دیا۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو اور ابلاغی خوبیوں کے بارے میں یہ کہا۔

" کان رسول الله صلی الله علیه وسلم متواصل الاحزان ' دائم الفکر ' لیست له راحته فلا یتکلم فی غیر حاجته' طویل السکوت یفتح الکلام ویختمه باشراقه' ویتکلم جو امع لکلم (۱۴)۔"

(الترمذی باب الشمائل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیہم غم وحزن کا پیکر رہتے ' ہمیشہ غور و خوض کرتے رہتے انہوں نے پر راحت زندگی بسر نہیں کی' وہ بلاضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے' آپ لمبی خاموشی اختیار کئے رہتے 'گفتگو کی ابتداء وانتہاء واضح انداز میں فرماتے اور آپ کی صفت "جوامع الکلم" ہے۔

یہ حدیث ادعیہ کے اسلوب' ان کے پرمغز ہونے اور ان کی ادبی حیثیت واضح کرنے کی عمدہ دلیل ہے ۔ کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بلاضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ گویا آپ کا زندگی بھر دعا فرمانا یہ رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ دعا انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہے ۔ نیز اسی حدیث میں ہے کہ آپ "جوامع الکلم" کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے ۔ گویا اپنی زبان مبارک سے جو الفاظ بھی ادا کرتے وہ ادب پارہ ہوتے تھے ۔ لہٰذا آپ ادعیہ مسنونہ عربی ادب کا شہ پارہ اور

اعلیٰ ادبی محاسن کا مجموعہ ہیں۔

دعوت اسلامی کا بنیادی مقصد انسان کو خالق کائنات کے حضور جھکانا اور انسانوں کو شرک کی جملہ اقسام سے پاک کرنا ہے ۔ داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مقصد ہر وقت عیاں رہتا ہے ۔ اس کا اظہار ادعیہ میں جس کثرت سے ہے ۔ اس کی مثال کسی دوسری صنف سخن یا نوع ادب میں ملنا دشوار ہے ۔ یہ دعا ملاحظہ فرمائیے۔

" اللھم انی اعوذبک من سخطک 'واعوذبک بمما فاتک من عقوبتک ' لا احصی ثناء علیک ' انت کما اثنیت علی نفسک (۱۵)"

ترجمہ : اے پروردگار! میں تیری سختی سے پناہ چاہتا ہوں ' تیرے عذاب سے درگذر کرنے کے ذریعے پناہ چاہتاہوں' میں تیری بے حد وحساب ثناءنہیں کر پاتا ' جیسے تو نے اپنی ذات کی خوبی بیان کر دی ۔

" ادعیہ ماثورہ" میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض الفاظ کو بار بار دہرایا کرتے تھے تاکہ ان کا مدعا سمجھ میں آجائے۔ اور ان کا مفہوم انسانی قلب ودماغ میں جاگزین ہو جائے ۔ دعا میں جب رحمت عالم کلمات کو باربار ادا کرتے ہیں ' تو اس وقت وہ اپنی عاجزی اور انکساری ' اللہ جل شانہ کی عظمت وجلال کا اعتراف کرتے اور مکرر الفاظ کے مطالب کو بار بار پیش کرکے ان کی قبولیت کے لئے حریص ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ دعا سات بار پڑھا کرتے تھے۔

بسم اللہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد و احاذر(۱۶)۔

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا اور اس کی قدرت اور عزت کے ذریعے شیطان سے پناہ چاہتا ہوں۔ جو تکلیف پہنچی یا پہنچائی گئی اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ مریض کی عیادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے۔ "اذھب الباس رب الناس" اے انسانوں کے پروردگار اس بیماری (تکلیف) کو ختم کر دے۔

" ادعیہ ماثورہ " کے ادبی محاسن کا کئی پہلوؤں سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے ۔ ادعیہ کی کثرت اور ادبی محاسن کے مختلف پہلوؤں پر ان کا اطلاق ایک وسیع تر موضوع ہے ۔ اس لئے کسی مختصر تحریر میں ان سب امور کا احاطہ ممکن نہیں۔ ہم دعاؤں کی ترکیب ' عبارات کے فنی اور ادبی محاسن

' الفاظ کا انتخاب ' مترادف یا متبادل الفاظ کے استعمال میں احتیاط ' بعض الفاظ کو بار بار دعاؤں میں شامل کرنا اور خاص خاص مواقع کی "ادعیہ ماثورہ" کا اختصار سے ذکر کریں گے۔ "ادعیہ ماثورہ" کا آغاز عام طور پر ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

اللھم ۔ ربنا۔ اعوذبک اسالک اور سبحان اللہ ۔

بظاہر یہ الفاظ بہت آسان معلوم ہوتے ہیں ۔ روز مرہ بلکہ ہر روز کئی بار استعمال ہونے کی وجہ سے یہ سب الفاظ مسلمانوں کی زبانوں پر رواں دواں ہیں ۔ لیکن ان میں سے ہر لفظ کی اپنی ادبی قدرو قیمت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں " فواتح الدعا" کے طور پر منتخب کرکے لسانی ' ادبی ' حفظ مراتب اور انسانی ضروریات کے تقاضوں کو پورا فرمایا ہے۔

اگر ادعیہ کا جائزہ لیا جائے تو وہ عام طور پر دو طرح کی ہیں ۔ ایسی ادعیہ جن میں خالق حقیقی کو براہ راست مخاطب کیا گیا ہے ' ایسی ادعیہ کا مفہوم مثبت ہوتا ہے اور ان دعاؤں میں اللہ تعالی سے کسی نعمت کے عطا کرنے کی التجا کی جاتی ہے ۔ ایسی دعاؤں کا آغاز عموماً " "اللھم" یا "ربنا" کے الفاظ سے ہوتا ہے ۔

اللھم میں مذکور لفظ "اللہ" اسم ذات الہی ہے اس کی نہ جمع ہے اور نہ ہی تانیث ۔ عرب معاشرے میں شرک کا دور دورہ تھا ۔ لیکن وہاں بھی اس لفظ کا نہ مفہوم تبدیل ہوا اور نہ ہی یہ اسم پاک کبھی کسی بت کے لئے استعمال ہوا ۔ اس لفظ کا استفاق "الہ" سے ہے اور اس پر الف لام تعریف کا اضافہ کرکے "اللہ" بنا ۔ اس لفظ کا اصل مادہ "ال ہ" ہے جو سامی زبانوں میں معبود کے معانی واضح کرتا ہے ۔ بعض اہل لغت نے اس لفظ کو "ول ہ" سے مشتق قرار دیا ہے ' جس کا مفہوم ورطہ حیرت میں ڈالنا اور عاجز کرنا ہے کیونکہ عقل اس ذات کی حقیقتوں کے ادراک سے عاجز اور حیران ہے ' اس لئے اللہ تعالی کی ذات عقل کی حد بندیوں اور پہنائیوں سے بالا تر ہے (۱۷) ۔ یہ لفظ دور جاہلیت میں بھی متداول تھا ۔ اس لئے مقاطعہ قریش کے وقت صلح نامے پر "باسمک اللھم" لکھا گیا۔ (۱۸) جو اللہ جل جلالہ کی عظمت اور ہیبت کا آئینہ دار تھا ۔

لفظ "اللہ" کے اصلی حروف تین ہیں ۔ اہل لغت کی رائے ہے کہ یہ تینوں حروف الگ الگ بھی ذات باری تعالی کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً لفظ اللہ سے اگر الف الگ کر دیا جائے تو "للہ" باقی رہ جاتا ہے پھر ل جدا کیا جائے تو "لہ" بچے گا اور دوسرا لام کم کیا جائے تو "ہ"

باقی رہتا ہے ۔ یہ سب الفاظ واجب الوجود کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔ (۱۹) اور "ادعیہ ماثورہ" میں اسم ذات کا استعمال انسان کی عاجزی اور انکساری کی دلیل اور خالق کائنات کی عظمت و جلال کا عکاس ہے جو دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

"ادعیہ ماثورہ" کے آغاز میں کثرت سے استعمال ہونے والا دوسرا لفظ "ربنا" ہے ۔ ماہرین لسانیات کی رائے ہے کہ لفظ "رب" تمام سامی زبانوں میں موجود ہے اور پرورش کے معانی ظاہر کرتا ہے ۔ جب کہ عربی زبان میں لفظ "رب" معمولی پرورش تک محدود نہیں بلکہ یہ لفظ "مکمل نشوو نما" ارتقاء اور پرورش کی حد تام کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے ۔ (۲۰) لفظ رب + نا کہہ کر انسان اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہمارا پالنے والا اور ہماری پرورش کرنے والا ہے ۔ اس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا اور اپنی ربوبیت سے پرورش کی (۲۱) ۔ اب اگر انسان کی کوئی حاجت یا ضرورت ہو تو وہی مسبب الاسباب اور فیض رساں ہے ۔ اس لئے وہ انسان کی تمام حاجات پوری کرنے والا ہے۔

قرآن و حدیث کی اکثر دعاؤں کا آغاز لفظ "ربنا" سے ہوتا ہے ۔ یہ لفظ ادا کرتے وقت انسان کے دونوں ہونٹ باہم مل جاتے ہیں ۔ گویا یہ لفظ بندے اور اللہ کو باہم ملانے کا ذریعہ ہے ۔ کیونکہ بندے پروردگار عالم کی صفت ربوبیت کا اقرار کرکے اس کی رحمتوں ' برکتوں اور نعمتوں کے خواستگار ہوتے ہیں ۔ اس طرح اس کی رحمت عام ہوتی ہے اور انسانی دعائیں شرف قبولیت کو پہنچتی ہیں۔

دعاؤں کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے ۔ جن کے ذریعے سے رب کائنات کے حضور یہ التجا پیش کی جاتی ہے کہ وہ انسانوں کو ہر طرح کی آزمائشوں اور شرو بلیات سے محفوظ رکھے ۔ ایسی ادعیہ کا آغاز عام طور پر "اعوذ" یا "نعوذ" کے لفظ سے ہوتا ہے ۔ اس لفظ کا مفہوم "پناہ مانگنا" ہوتا ہے ۔ یہی وہ لفظ ہے جس کے ذریعے اسلام میں شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ (۲۲) ارشادات نبویؐ کی روشنی میں جب مسلمان اپنی دعاؤں کا آغاز لفظ "اعاذہ" سے کرتے ہیں تو وہ اس سچائی کا بصدق دل اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے ابلیس کے چنگل میں پھنس کر یہ برائی کی ہے' یا ہمیں خدشہ ہے کہ ہم ابلیس کے بہکاوے میں آکر برائی کا ارتکاب نہ کریں ' یا کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں اس طرح "اعاذہ" کے ذریعے شیطان سے پناہ چاہنے کے ساتھ ساتھ انسان رب

کائنات کی شفقتوں ' عنایات اور رحمتوں کا طالب بھی ہوتا ہے ۔ ادبی نقطہ نظر سے یہ لفظ شیطانی وسوسوں اور بری تدابیر نیز انسانی نفس کی اپنی تمام خرابیوں سے بچنے کے جملہ امور کا احاطہ کرتا ہے۔ لہٰذا وہ لفظ "صیانہ" "وقایہ" یا حفاظت سے نہ صرف زیادہ بلیغ ہے بلکہ وسیع تر مفہوم کا حامل بھی ہے ۔ اس لئے "ادعیہ ماثورہ" میں سے کثیر دعاؤں کا آغاز اسی لفظ سے ہوتا ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں کتب حدیث اور دعاؤں کی کتابوں میں موجود ہیں۔

دعاؤں کی تیسری قسم وہ ہوتی ہے جو مثبت اور منفی دونوں طرح کے امور پر مشتمل ہے ۔ اسی طرح یہ قسم بندے کے کمزور ناتواں اور عاجز ہونے کی عکاس ہوتی ہے کہ انسان ایک فقیر اور سائل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی عطا کرنے والا اور "ان داتا" ہے ایسی دعاؤں کی ابتداء میں "امسالک یا نسئلک" کے الفاظ ملتے ہیں ۔ لفظ سوال کو دعاؤں کے شروع میں لانے میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ دست سوال اسی کے حضور دراز کیا جاتا ہے جس سے سوال پورا ہونے کی توقع اور آرزو ہو ۔ (۲۳) اس لئے انسان اس ذات ستودہ صفات کے حضور ملتجی ہوتا ہے جس کی رحمت ہر چیز پہ سایہ فگن ہے اور تمام نعمتیں جس کے قبضہ قدرت میں ہیں ۔ اور وہ انسانوں کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے (۲۴) ۔

جن دعاؤں کا آغاز لفظ "سبحان" سے ہوتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت و جلال کو ذریعہ بنا کر انسان اپنی حاجت بارگاہ ایزدی میں پیش کرتا ہے ۔ لفظ "سبحان" سبح تسبیحا باب تفعیل کے مصدر کا علم ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور پاک ہے ۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔

" علم للتسبیح کعثمان للرجل ' فانتصابہ بفصل مضمر ' و د ل علی التنزیہ البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیہ اعداء اللہ " (۲۵)

ترجمہ : (لفظ سبحان) تسبیح کا مصدر ہے جس طرح عثمان ہے جو کسی شخص کا علم ہوتا ہے ۔ اس کا فعل مضمر ہے ۔ جس کی وجہ سے لفظ سبحان منصوب (زبر والا) ہے ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک ہے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن (کفار) اس کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔

اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مفسر آلوسی سے نقل کی ہے ۔

(باقی صفحہ ۵۲ پر)